صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنۂ انکارِ حدیث 1

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

ایک مسلمان کے لیے جس طرح قرآنِ کریم پر ایمان لا نا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے ، اسی طرح نبی ئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو بھی بلاچوں چراں تسلیم کرنا اور ان کی تعمیل کرنا بھی فرض ہے ، کیونکہ قرآنِ کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ، وہاں اپنے نبی کی اطاعت و فرمانبرداری کو بھی حتمی قرار دیاہے ، اس لیے کہ کلامِ الٰہی کو سمجھناتوضیحِ رسول پر موقوف ہے ، مثلاً قرآنِ کریم میں نماز قائم کرنے ،زکوٰۃ ادا کرنے ، روزہ رکھنے ،حج کرنے اور دیگر شرعی احکام کو بجا لانے کا اجمالی حکم موجود ہے ، تفصیل اور طریقہئ ادائیگی کا علم توارشاداتِ نبوی کی رہنمائی سے ہی ممکن ہو گا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انہی ارشادات کو جمع و محفوظ اور ملاوٹ سے مامون رکھنے کے لیے صحابہئ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دورسے لے کر ہی محدثین نے اپنی زندگیاں وقف کیں ، تب یہ ذخیرہ ئ حدیث ہم تک پہنچا ، اور پہنچتابھی کیوں نہ کہ یہ دین ہے اور دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیاہے، یہی ارشاداتِ نبوی کتبِ احادیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں، ان کتب میں محدثین نے سندوں کا اہتمام کر کے ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں اس کی مثال نہیں ملتی ، گویا یہ قیامت تک کے لیے اسلام کا ایک معجزہ ہے ۔

امامِ بخاری رحمہ اللہ اور ان کی عظیم الشان کتاب ''صحیح بخاری '' کو جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا اورتمام اہلِ اسلام نے متفقہ طور پرصحیح بخاری کو جس قدرکامل یقین سے قبول کیا ، وہ محتاجِ بیان نہیں، یہی وجہ ہے کہ منکرینِ حدیث کو احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صحیح ترین مجموعہ ایک آنکھ نہیں بھاتا ، کیونکہ اس کتاب کی صحت ان کے انکارِ حدیث پر ضربِ کاری ہے ،لہٰذاامتِ مسلمٰہ کے اتفاق کو لات مارتے ہوئے انہوںنے صحیح بخاری پر اعتراضات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیاہے ، لیکن ان نا عاقبت اندیشوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ صحیح بخاری پر اعتراض چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے ، چنانچہ ان کے اعتراضات صحیح بخاری کی شان کم کرنے کے بجائے ان کی اپنی دروغ گوئی ، لاعلمی اور جہالت کا

پول کھولتے ہیں ۔
پھر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان معترضین کو اپنے اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کے لیے عموماً امام بخاری رحمہ اللہ کی ذات ہی نظر آتی ہے ، حالانکہ جن صحیح احادیث پر یہ لوگ حملے کرتے ہیں ، وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ ان سے پہلے اور بعد کے دوسرے محدثین نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ بیان کی ہوتی ہیں ، لیکن چونکہ ذخیرۂ حدیث میں صحیح بخاری کو سب سے اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے ، لہٰذا ان کی ہر چند یہ کوشش ہوتی ہے کہ احادیثِ نبوی کے اسی صحیح ترین مجموعے کو مشکوک بنا دیا جائے تاکہ عوام کے ذہن سے دوسری کتبِ حدیث کی وقعت خود بخود ختم ہو جائے ، مگر ان کی یہ کوشش کبھی بھی ثمر آور نہ ہو سکے گی ،ان شاء اللّٰہ !
شبیر احمد ازہر میرٹھی نامی ایک شخص نے'' صحیح بخاری کا مطالعہ ، بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق و تنقید''کے نام سے ایک ایسی ہی بے کار کوشش کی ہے ، آئیے عدل و انصاف کے ترازو میں اس فضول کاوش کا وزن کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر ان کے یہ اعتراضات پرِ کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے ، بلکہ صحیح بخاری پر ان کی یہ خامہ فرسائی خود ان کی رسوائی کا سبب بنی ہے ،انہوں نے صحیح بخاری کو انکارِ حدیث کی عینک لگا کر پڑھا ہے ، واضح بات ہے کہ اس صورتِ حال میں اعتراضات کے سوا اور کسی ردِّ عمل کی توقع نہیں ہوسکتی تھی ، اس طریقے سے تواگر کسی نے قرآنِ کریم کابھی مطالعہ کیا ہے تو اسے بھی اعتراضات کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا ، مشرکینِ مکہ نے کیا قرآنِ مجید پر طرح طرح کے اعتراضات نہیں کیے تھے ؟اور مزے کی بات یہ ہے کہ منکرینِ حدیث کی طرح منکرینِ قرآن کا بھی بڑا اعتراض یہی تھا کہ قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا ہماری عقل میں نہیں آتا، یہ اللہ کی کلام نہیں، بلکہ خود گھڑ لیاگیاہے ،حالانکہ اگر قرآنِ کریم کے لطیف معانی ان کی عقل میں نہ آتے تھے تو ان کافرض اپنی عقل کا قصور تسلیم کرکے اس الٹی عقل کو سیدھا کرناتھا ، نہ کہ قرآنِ کریم کا انکارکرنا، اب کہ منکرینِ حدیث بھی صحیح بخاری کی احادیث پربے تکے اعتراضات کرتے ہوئے بڑے زور سے کہتے ہیں :
''کیا یہ ممکن ہے ؟ اگر کوئی کہے کہ یہ ممکن ہے تو محال

ونا ممکن ، بے معنیٰ بات ہے ۔۔۔۔ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل عقل میں آنے والی نہیں ہے ۔۔۔۔۔ہر گز سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے ۔۔۔۔''

(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' ، حصہ اول : ۱۴۸۔۱۵۱)

حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنی عقلِ نارسا کا علاج کرواتے اور اسے اس قابل بناتے کہ احادیث ِ نبویہ ان کی سمجھ میں آجاتیں ، لیکن انہوں نے ان پر اعتراضات کرنے کی ٹھان لی ہے ، اگر اسی طرح کوئی منکر ِ قرآن کہے دے کہ قیامت وغیرہ کے حالات کے بارے میں قرآنی تبصرے جات میری عقل تسلیم نہیں کرتی توکیا وہ حق پر ہوگا ؟جو جواب قرآنِ کریم کی طرف سے منکرینِ قرآن کو دیا جائے گا ، وہی صحیح حدیث کی طرف سے منکرینِ حدیث کو دے دیا جائے گا ۔

پھر اس سے بڑھ کر عقل کا دشمن کو ن ہو گا جوآج اٹھ کرامام بخاری سمیت تمام محدثین و فقہاء اورسلف صالحین کو فہمِ حدیث سے کورا قرار دے کر خود کو بڑا محقق و ناقد خیال کرتا پھرے ، جیسا کہ شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے لکھا ہے :

''اسے پڑھنے والوں کے دلوں میں یہ خلش ضرور پیدا ہو گی کہ صحیح بخاری بڑی معروف و مستند اور مقبولِ عام کتاب ہے ، جب سے یہ کتاب معرضِ وجود میں آئی ہے ، ہر دور میں ہزاروں کی تعداد میں طلبۂ عَلم مدارسِ دینیہ میں صحیح بخاری پڑھنے سننے کا شرف حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور سند و دستارِ فضیلت پاتے ہیں ، بلند پایہ علمائے کرام کے جمِ غفیر نے یکے بعد دیگرے اس کی مبسوط شرحیں لکھی ہیں ، لیکن کسی شارح ، کسی محشّی اور کسی مستند عالم نے یہ کہنے کی جسارت نہیں کی کہ اس أصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ میں بے سروپا اور باطل حدیثیں بھی ہیں ، جو بات متقدمین و متاخرین علمائے عظام میں سے کسی پر نہیں کھلی ، وہ اس کس مپرس شخص شبیر احمد ازہر میرٹھی پر کیسے کھل گئی ؟ ۔۔۔

۔۔۔۔ٹھیک ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے اول سے آخر تک صحیح بخاری کی ہر حدیث کو اس انداز سے(انکار ِ حدیث کی عینک لگا کر ۔ازناقل) نہیں پڑھا ، اسی لیے کوئی صاحب ِ نظر ان اغلاط سے واقف بھی نہیں ہوا جن سے میں واقف ہوا ہوں ۔۔۔۔

اور دیگر ثقہ محدثین کی طرح بخاری کے یہاں بھی بھول چوک اور قصور ِ بیان و غلط فہمی کی سینکڑوں مثالیں ملتی

ہیں ۔۔۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' حصہ دوم : ۳۸۲۔۳۸٤)
قارئین کرام ! دیکھا آپ نے کہ کتنی بے باکی سے یہ ''محقق و ناقد'' صاحب سب سلف صالحین کی عقل کو ناقص قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو سب سے بڑا عقل مند تصور کر رہے ہیں ، یہ محض ان کی خوش فہمی ہے ، ورنہ عام تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ اپنے علاوہ سب لوگوں کی عقل کو مطعون کرنے والا درحقیقت خودبے عقل اور پاگل ہوتا ہے ، ایسے آدمی کوپہلی ہی فرصت میں دماغی امراض کے خصوصی ہسپتال میں داخل کروا دینا چاہیے ۔
امام بخاری رحمہ اللہ یقینا ایک انسان تھے ، ان سے خطا و نسیان کا صدور یقینا ممکن تھا ، لیکن منکرینِ حدیث کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم صرف ان کے صحیح کہہ دینے کی بنا پریہ دعوٰی نہیں کرتے کہ صحیح بخاری کی تمام ''مرفوع، متصل'' احادیث صحیح ہیں ،بلکہ امت کے اس کی صحت پر اتفاق کر لینے کی وجہ سے یہ دعوٰی کرتے ہیں اور امت کا اجماع بالاتفاق ایک معصوم شرعی دلیل ہے ، کیونکہ بقولِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم امتِ مسلمہ کبھی گمراہی پراجماع نہیں کر سکتی (المستدرک للحاکم : ۱/۲۰۰، وسندہ، صحیحٌ)، جب کسی بات پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے تو یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے ۔
نیز صحیح بخاری کی صحت پرپوری امتِ مسلمہ کے اجماع و اتفاق کے باوجودان کو جواس میں بھول چوک ، قصورِ بیان اور غلط فہمی کی سینکڑوں مثالیں ملی ہیں تو کیا یہ خود کو غلط فہمی سے مبرا سمجھتے ہیں ؟ کیا عجب ہے کہ ان کو ساری امتِ مسلمہ کے اتفاقی فیصلے میں جو غلط فہمیاں نظر آئی ہیں ، وہ درحقیقت ان کی اپنی ہی غلط فہمیاں ہوںاور یقینا ایساہی ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے ، پھرانہی غلط فہمیوں پر یہ خوش فہمی کا شکار ہوئے بیٹھے ہیں !!!
اسی خوش فہمی یعنی غلط فہمی میں انہوں نے صحیح بخاری کے متعلق امتِ مسلمہ کے اجتماعی عقیدے کو ''ایک مبالغہ آمیز بات'' قرار دیا ہے ، کہتے ہیں :
''عموماً اہل علم و نظر کو صحیح بخاری کی حدیثوں کو پرکھنے سے تین وجوہ نے روکا ہے ، اول یہ کہ کسی نے اس کے متعلق یہ مبالغہ آمیز بات کہہ دی تھی کہ أصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ صحیح

البخاریؒ ، ایسی ہی مبالغہ آمیز بات پہلے امام مالک کی مؤطا کے متعلق کہی گئی تھی مگر صحیح بخاری کے متعلق کہی گئی بات زیادہ پھیل گئی ، بے علم واعظین اور غیر محتاط مصنّفین نے اسے خوب ہوا دی ہے۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' حصہ دوم : ۳۸۳)

اس حدیث اور محدثین دشمنی کا کیا کیا جائے؟ ایسی عقل پر تو ماتم ہی کیا جاسکتا ہے جو امت کے کبار علمائے کرام و محدثین عظام کو بے علم واعظین اور غیر محتاط مصنّفین قرار دیتی ہے ،جبکہ شارحِ مسلم حافظ نووی ، حافظ ابن الصلاح ، حافظ ابن تیمیہ ، حافظ ابن ملقن اور شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجر وغیرہم رحمہم اللہ نے صحیح بخاری کو أصحّ الکتب بعد کتاب اللّٰہ قرار دیا ہے۔

یقینا امت کے اجماع و اتفاق کو ٹھکرانے اور علمائے امت کو بے علم اور غیر محتاط قرارد ینے والا شخص خود''چور بھی کہے چور چور '' کا مصداق ''بے علم واعظ اور غیر محتاط مصنف '' ہے۔

اسی پر بس نہیں،بلکہ انہوں نے احادیث ِ نبوی کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کرنے والے راویانِ حدیث اور ائمہ دین کے خلاف بکواس کر کے اپنی عقبیٰ بھی خراب کر لی ہے، قارئین ذرا ان کی واہی تباہی ملاحظہ فرمائیں :

''عموماً راویانِ احادیث عقل و فہم سے بے بہرہ تھے ، نقل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت کے قائل نہ تھے ۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' حصہ اول : ۲۷۔۲۸)

یہ بھی حقیقت ہے کہ موصوف ایک ایک محدث کی شان میں گستاخی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے ، اہل اسلام کے جذبات سے کھیلتے ہوئے انہوں نے محسنینِ اسلام اورسب مسلمانوں کے نزدیک قابل احترام کبار محدثین کے بارے میں جو بکواسات بکی ہیں ، ان کی ایک جھلک قارئین کی نظر کی جاتی ہے :

امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

''رہے زہری سے لے کر بخاری وغیرہ تک اسے روایت کرنے والے محدثین تو ان غریبوں کو بس شیخ سے سنی ہوئی سندیں اور حدیثیں یاد کر لینے ، لکھ لینے اور پھر روایت کرنے کے مشغلے نے اتنی فرصت ہی نہ دی تھی کہ قرآن کو سمجھ بوجھ کر پڑھتے ۔۔۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۲/۳۰۵)

صحیح بخاری کی ایک حدیث کو قرآن میں تحریف قرار دیتے ہوئے یوں ہرزہ سرائی کرتے ہیں :
''وہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرما دیا ہے ، ورنہ تابعین و اتباعِ تابعین کے بعد محدثین اور راویانِ اخبار نے اس میں تحریفات کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی ۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/۱۸۱۔۱۸۲)

نیزامام بخاری رحمہ اللہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ''کاش محدثین کا یہ نہایت غیر عاقلانہ طرزِ کار نہ ہوتا جو علم و طلبِ علم کے بالکل منافی ہے ۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۲/۲۸۸)

اسی طرح عقل کے ان دشمنوں نے صحیح بخاری کی دیگر بہت سی روایات کو بھی ''نامعقول ، بے ہودہ ، فضولیات اور الٹی سیدھی غلط سلط باتیں ''قرار دیا ہے ۔(دیکھیں ''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/۳۱،۳۲،٤۳)

امام مسلم رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے : ''امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں یہ جھوٹی کہانی ثبت فرما دی تھی ۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۲/۳۱)

امام ابو داو،د رحمہ اللہ کے متعلق انتہائی غلیظ زبان استعمال کی ہے ، کہتے ہیں :
''اس کو تخریج کرنے کی شدید احمقانہ غلطی ابوداو،د سجزی نے کی ہے َ''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۲/۳٦)

امام ترمذی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے : ''نہ معلوم ترمذی نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کر کے کس اجر و ثواب کی توقع کی تھی ؟ ''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/۱۰۱)

امام ابنِ ماجہ اور ان کے اساتذہ رحمہم اللہ کے بارے میں ان کی ''بَکَ بَک '' کچھ اس طرح ہے :
''یہ بات نقل کرتے ہوئے نہ ابن ماجہ نے کچھ عقل سے کام لیا ، نہ ان کے شیخ علقمہ بن عمرو دارمی نے ، نہ ان کے شیخ ابو بکر بن عیاش نے ۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/۳۸)

اور تو اور موصوف نے صحابہ کرام پر بھی طعن کرنے سے احتراز نہیں کیا ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں : ''پھر ابو ہریرہ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'': ۲/۲٥٤)

نیز صحابی ئ رسول سیدنا براء بن عاز ب رضی اللہ عنہ کی

حدیث کو مشکوک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

''یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت براء بن عازب نابالغ اور تقریباً نو سالہ بچے تھے ، اکابر صحابہ میں سے کسی سے بھی یہ حدیث مروی نہیں ہے ۔''

(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/٤٦)

صحابہ کرام کی نفوسِ قدسیہ کی ''غلطیاں'' نکالنے کی حرکتِ شنیعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ موصوف دراصل رافضی ہیں اور تقیہ کر کے مسلمانوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور یوں دینِ اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں ۔

کاش کہ جہالت و ظلمت کے اندھیروں میں مشعلِ راہ ثابت ہونے والے سلف صالحین و محدثین کو ''بے عقل '' اور''احمق''کہنے والے احمقوں کی مائیں ہی بانجھ ہو جاتیں، وہ پیدا ہی نہ ہوتے، تاکہ ہمیں آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا!

پھر ان کا یہ جھوٹ بھی بکری کو اونٹ کہنے کے مترادف ہے کہ ''کوئی صاحبِ علم ان اغلاط سے واقف نہیں ہوا جن سے میں ہوا ہوں ''، حالانکہ ہماری آئندہ کی وضاحت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ ان کے جتنے بھی بڑے بڑے اعتراضات ہیں ، صدیوں پہلے محدثین نے ان کاذکر کیاہے اور وہ ان کے شافی و کافی جوابات دے کر بخاری کے دفاع کا فریضہ سر انجام دے چکے ہیں ۔

چونکہ حدیثِ نبوی کا دفاع ہمیں محدثین کرام سے وراثت میں ملا ہے ، لہٰذا ہر دور میں حدیث کے خلاف اٹھنے والی آواز کو اہل الحدیث نے دبایا ہے ، سلف صالحین کی پیروی میں ہم بھی اس کتاب میںصحیح بخاری پر کیے گئے ایک ایک اعتراض کا جواب قرآن و سنت اور فہمِ سلف کی روشنی میں پیش کریں گے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے ان کی بے عقلی اور بے وقوفی کونشانِ عبرت بنا دیں گے ،ان شاء اللّٰہ

سرِ دست ہم حدیثِ افک پر وارد کیے گئے تمام اعتراضات کا منصفانہ جائزہ پیش کرتے ہیں ۔

حدیثِ افک پر اعتراضات اور ان کے جوابات :

اجمالی جواب

بخاری و مسلم کی احادیث کے صحیح ہونے پر امت کے اجماع والی قطعی دلیل تو ہے ہی ، لیکن اس سے قطع نظر خود حدیثِ افک

کی صحت پر بھی ساری امت کے محدثین کا اجماع و اتفاق ہے ،
شروع سے لے کرآج تک کے علماء و محدثین نے عقیدے ، تفسیر ،
حدیث ، لغت اور دیگر کتابوں میں اس حدیث سے حجت لی ہے ،
آئیے اس کا سرسری سا خاکہ دیکھتے ہیں :

حدیث ِ افک عقائد میں :   درج ذیل ائمہ کرام نے حدیث ِ افک کو
عقیدے کی کتابوں میں ذکر کیا ہے :

1⋆امام عبداللہ بن احمد بن حنبل (۲۱۳۔۲۹۰ھ)(السّنّۃ لعبداللّٰہ بن
احمد : ۱/۱۴۳)،2⋆ امام آجری (م۳۶۰ھ)(الشریعۃ : ۵/۱۱۹)، 3امام
بیہقی (م۴۵۸ھ)(الاسماء والصفات للبیہقی : ۲/۴۵) وغیرہم
رحمہم اللہ

دین میں عقیدے کی اہمیت کسے معلوم نہیں ، کیا جو'' کہانی
شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ''ہو ، اس سے محدثین نے
مسلمانوں کو عقیدہ ثابت کر کے دیا ہے ؟ اس پر طرہ یہ کہ
کسی ایک نے بھی ان کے اس کام کو غلط قرارنہیں دیا، کیا سلف
صالحین اپنے عقیدے کی بنیاد جھوٹی کہانیوں پر رکھتے تھے ؟
حدیث ِ افک کو جھوٹ قرار ِ دینا (نعوذباللہ)سلف صالحین کو بد
عقیدہ قرار ِ دینے کی ایک خفیہ سازش ہے اور جو شخص سلف
صالحین کے بارے میں ایسا ذہن رکھتا ہے ، اس کی گمراہی میں
کیا شبہ ہو سکتاہے ؟

حدیث ِ افک تفسیر میں :   درجِ ذیل علمائے تفسیر نے اس حدیث
کو سورۂ نور کی تفسیر میں پیش کیا ہے :

امام ابو جعفر محمد بن جریرطبری(م۳۱۰ھ) (تفسیر طبری:
۱۹/۱۲۰)، امام ابن ابی حاتم (م۳۲۷ھ)(تفسیر ابن ابی حاتم :
۱۰/۴۴)،حافظ ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی (م۵۱۰ھ)(معالم
التنزیل : ۶/۱۸)، امام ابنِ کثیر (۷۰۰۔۷۷۴ھ)(تفسیر ابنِ کثیر :
۳/۳۲۷)، علامہ رازی (۵۴۴۔۶۰۶ھ)، علامہ قرطبی (م۶۷۱ھ)،
علامہ سیوطی(۸۴۹۔۹۱۱ھ)وغیرہم رحمہم اللہ ۔

سب مفسرین کا ذکر طوالت کاباعث ہوگا ، صرف اتنی بات یاد
رہے کہ صحابہ کر ام و تابعین عظام سے لے کر آج تک جتنے بھی
مسلمانوں نے قرآنِ کریم کی تفاسیر لکھی ہیں ، سب نے بالاتفاق
سورۂ نور کی آیتِ مبارکہ :
(اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُ وْا بِالْاِفْکِ۔۔۔۔)(النور : ۱۱)کی تفسیر میں اسی
حدیث ِ افک کو ہی اس آیت کا شانِ نزول بتایا ہے ، بلکہ اس کی
صحت پر سب کا یقین بھی تھا ، بعض نے اس بات کی صراحت

بھی کر دی ہے ، جیسا کہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

وسبب نزولها ما رواہ الأئمّۃ من الحدیث الافک الطّویل فی قصّۃ عائشۃ رضوان اللّٰہ علیها ، وهو خبر صحیح مشہور ، أغنی اشتهارہ عن ذکرہ ، وسیأتی مختصرا ۔

''اس آیت کا شانِ نزول وہ لمبی حدیثِ افک ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے ، یہ حدیث صحیح و مشہور ہے ، اس کی شہرت نے یہاں اس کے تذکرے کی ضرورت کو ختم کردیاہے ، عنقریب اس کا مختصر بیان آئے گا ۔''(تفسیر القرطبی : ۱۲/۱۹۷)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین الرازی (م ۶۰۶ھ)لکھتے ہیں :

وأجمع المسلمون علی أنّ المراد ما أفک بہ علی عائشۃ ۔

''تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت والا واقعہ ہے ۔''(تفسیر الکبیر للرازی : ۱۱/۲۶۶)

ہمارا میرٹھی صاحب سے سوال ہے کہ علامہ رازی سے پہلے کسی مسلمان سے اس حدیث کا انکار ثابت کریں ، ورنہ اجماعِ امت سے کنارہ کش ہوکر قرآن و سنت کے خلاف گمراہی والا راستہ اختیار نہ کریں۔

ان سے سوال ہے کہ کیا صحابہ وتابعین اور ائمہ محدثین میں سے کسی کو آپ جتنی بھی عقل نصیب نہیں ہوئی تھی ،اگر اس بات میں کوئی وزن ہوتا تو سب نہیں ، چلو کوئی ایک محدث ہی آپ کی طرح یہ کہ دیتاکہ ''افک کی کہانی جوشروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے ۔''

ایسی عقل تو اللہ تعالیٰ کسی دشمن کو بھی نہ دے جو ساری کائنات کی عقلوں کو ناقص قرار دے کر اپنے آپ کو کامل قرار دے !!!

حدیثِ افک کتبِ حدیث میں : جب سے تدوینِ حدیث کا آغاز ہوا ہے ، ائمہ محدثین بالتواتر حدیثِ افک کو اپنی کتابوں میں درج فرماتے آئے ہیں ۔

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درجِ ذیل محدثین نے اس حدیث کو اپنی سند سے بیان کیا تھا :

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ)(مصنف عبدالرزاق : ۵/۴۱۰)،امام حمیدی (م۲۱۹ھ)(مسند الحمیدی :)،امام

اسحاق بن راہویہ (م۲۳۸ھ)(مسند اسحاق بن راہویہ : ۲/۵۲۵)،امام ابنِ ابی شیبہ (م۲۳۵ھ)(مصنف ابنِ ابی شیبہ : ۵/٤۱۰)،امام احمد بن حنبل (م۲٤۱ھ)(مسند الامام احمد : ٦/۱۹٤) رحمہم اللہ ۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصروں میں سے درجِ ذیل محدثین نے حدیثِ افک کو اپنی کتب میں جگہ دی ہے :

امام مسلم (صحیح مسلم : ۲۷۷۰)، امام ابو داو،د (سنن ابی داو،د : ٤۷۳۵)، امام نسائی (الکبریٰ :۱۱۲۵۱)، امام ابنِ ماجہ (سنن ابنِ ماجہ : ۲۳٤۷)،امام ابن الجارود (المنتقیٰ : ۷۲۳)، امام دارمی (سنن دارمی : ۲٤۲۳) رحمہم اللہ ۔

امام موصوف کے بعد آنے والے ان محدثین کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے :

امام ابنِ حبان (صحیح ابن حبان : ۷۱۰۳)، امام بیہقی (السنن الکبریٰ للبیہقی : ۱۰/۳٦)، امام طبرانی (المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۳/۸۳)، امام ابو یعلیٰ (مسند ابی یعلیٰ : ۸/۳٤۸) رحمہم اللہ ۔

پھر امت نے اس حدیث کی صحت پر اتفاق بھی کر لیا تھا ، کسی نے اسے باطل یا جھوٹی نہیں کہا ۔

کیا میرٹھی صاحب کے خیال میں وہ ائمہ حدیث جن کے ذریعے حدیث ان تک پہنچی ہے ، سب کے سب حدیث کے فہم میں فیل تھے ؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو ان کے اپنے فہم کی خرابی ہے ، جس کاوہ دوسروں کو الزام دے رہے ہیں ، المرء یقیس علی نفسہ (آدمی دوسروں کو اپنے آپ پر قیاس کرتا ہے) والا عربی مقولہ ان پر حرف بحرف صادق آرہا ہے ۔

تفصیلی جوابات

صحیح بخاری پر ان کے اعتراضات عموماً تین طرح کے ہوتے ہیں :

۱★اصولی اعتراضات ۲★تاریخی اعتراضات ۳★ عقلی اعتراضات

آئیے بالترتیب ان کا جائزہ لیتے ہیں :

★اصولی اعتراضات : اس عنوان سے کوئی یہ دھوکا نہ کھا بیٹھے کہ شاید ان کے صحیح بخاری پر یہ'' اصولی اعتراضات ''اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں ، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان اعتراضات کا تعلق اصولِ حدیث سے ہوتا ہے ، یہ اور بات ہے کہ یہ نہایت بے اصولی پر مبنی ہوتے ہیں ، کیونکہ ان کے ہاں

محدثین کی قدر و قیمت کیا ہے ؟ یہ توآپ انہی کے بقول معلوم کرچکے ہیں ، لہٰذا محدثین کے اصولوں کو ماننا ان کے کیسے ممکن ہو سکتا ہے ؟

اس حدیث پر انہوں نے پانچ اصولی اعتراضات وارد کیے ہیں :

اعتراض نمبر ۱ : ''ابنِ شہاب زہری کا بیان یہ ہے کہ میں نے یہ قصہ کچھ سعید بن مسیب سے سنا ہے ، کچھ عروہ بن زبیر سے ، کچھ علقمہ بن وقاص لیثی سے، کچھ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے ، ان میں سے کسی نے مجھے پورا قصہ نہیں سنایا ، مگران چاروں سے سنی ہوئی باتوں کو جوڑنے سے پورا قصہ یہ بنتا ہے ۔۔۔پس اس اسناد میں دو قصور ہیں، اول یہ کہ راوی تو ثقہ ہیں اور زہری نے ان کا نام بتایا ہے کہ وہ فلاں اور فلاں چار اشخاص ہیں ، لیکن ان میں سے کسی بھی راوی کی بیان کردہ بات زہری نے متعین طور پر نہیں بتائی ، پس راوی معلوم ہے اور مروی مجہول اور یہ ضعف کے اسباب میں سے ایک سبب ہے ، جیسے وہ روایت ضعیف و غیر معتبر ہے جس میں راوی مجہول اور مروی معلوم ہو ، اسی طرح وہ روایت بھی ضعیف و غیر معتبر ہے جس میں راوی معلوم ہو اور مروی مجہول ہو ۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' حصہ اول : ۱۷۴۔۱۷۵)

جواب : یہ اتنا ہی بڑا ہی جھوٹ ہے جتنا دن کو رات قرار دینا ، اگر اس ''اصول'' کی کوئی دلیل ہوتی تو پیش کی جاتی ، نہ معلوم اسے''ضعف کے اسباب میں سے ایک سبب '' کس نے شمار کیا ہے ؟ ورنہ عقل سے بھی کام لیا جائے تو بھی یہی معلوم ہوگا کہ ہر جگہ مروی کامجہول ہونا روایت کے ''ضعف ''کا سبب نہیں بنتا ، کیونکہ اگر چار راویوں میں سے کوئی ایک یا زائد راوی ناقابل اعتبار ہوں اور سب کی بات اکٹھی بیان کر دی جائے تو پھر روایت کے جس حصہ سے بھی استدلال کیا جائے گا ، وہاں احتمال ہوگا کہ شاید یہ'' ضعیف ''راوی کا بیان کردہ ہو ، لیکن جب چاروں راوی ''ثقہ''ہوں تو پھر جس حصہ سے بھی دلیل لی جائے ، کوئی اعتراض عقلی طور پر بھی وارد نہیں ہونا چاہیے ، رہی اصولِ محدثین کی بات تو آج تک کسی محدث نے ایسی صورت میں روایت کے ''ضعیف'' ہونے کا حکم نہیں لگایا ، بلکہ وہ اسے موجب ِ جرح خیال نہیں کرتے تھے ، جیسا کہ اسی حدیث ِ افک کی صحت پر محدثین ، مفسرین اور دوسرے علمائے دین کا اجماع و اتفاق کرنا ہم نے بیان کر دیا ، کوئی منکر ِ حدیث دنیا کے کسی

ایک محدث سے بھی حدیثِ افک کا ''ضعیف'' ہونا ثابت تو کرے ، الحمد للّٰہ ! ہماری اس بحث سے محدثین کرام کا ایک اجماعی و اتفاقی اصول ثابت ہو گیا ہے کہ جب سب راوی معلوم و'' ثقہ ''ہوں اور مروی ، یعنی روایت کردہ حدیث مجہول ہو تو اس پر کوئی کلام نہیں ہوگی ، اس کو ''ضعیف '' کہنے والا مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا گمراہ اور شیطان کا ہمنوا ہے ۔

اعتراض نمبر ۲ : ''دوسرا قصور یہ ہے کہ ان چاروں میں سے کسی راوی کی یہ تصریح مذکور نہیں کہ اس نے خود ام المؤمنین سے یہ قصہ سنا تھا اور ظاہر عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ان چاروں کو دیگر اشخاص نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے یہ قصہ سنایا تھا ، کیونکہ اگر سعید بن مسیب و علقمہ بن وقاص وعروہ بن زبیر و عبیداللہ بن عبداللہ نے راہِ راست حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ سنا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی : ذکروا أنّھم سمعوا عائشۃ الصّدیقۃ تقول یا ذکروا أنّ عائشۃ حدّثتھم ، قالت ۔۔

پس فی الواقع یہ زہری کی مرسل یعنی منقطع روایت ہے ، یعنی ہم یہ تو یقین رکھتے ہیں کہ زہری نے یہ داستان خود نہیں گھڑی ، بلکہ فی الواقع مجموعی طور پر یہ داستان زہری نے سعید بن مسیب و عروہ بن زبیر و علقمہ و عبیداللہ بن عبداللہ سے سنی تھی ، لیکن ان چاروں شخصوں نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ نہیں سنا تھا، بعض اشخاص نے انہیں بتا دیا تھا کہ ام المؤمنین نے یہ بیان کیا تھا ، وہ کون اشخاص تھے ؟ اس کا علم نہیں ، پس سند کے اعتبار سے یہ روایت کہ زہری کی مرسل روایات میں سے ہے جو بہ اتفاقِ اہل علم باقابل اعتماد اور عموماً غلط ہوتی ہیں ، اہل علم نے کہا ہے : مراسیل الزّہری شرّ المراسیل ۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱۷۵۔۱۷٦)

جواب : یہ اعتراض منکرینِ حدیث کے اصولِ حدیث سے لا علم ہونے کی واضح دلیل ہے ، کیونکہ محدثین نے روایت کے صحیح ہونے کے لیے سماع کی تصریح کی شرط صرف خاص قسم کے راویوں کے لیے لگائی ہے ، جن کو اصطلاحِ محدثین میں ''مُدَلِّس'' کہتے ہیں ، یعنی ایسے راوی جو اپنے استاذ کا نام چھوڑ کرایسے اگلے راوی سے سماع کے احتمال والے لفظوں کے ساتھ حدیث بیان کردیتے ہیں ،جس سے انہوںنے اور احادیث تو سنی ہوتی ہیں ، لیکن یہ حدیث نہیں سنی ہوتی ، اور الحمدللّٰہ صحیح بخاری کے

ان چاروں راویوں میں سے ایک بھی راوی ایسا نہیں جو ''مُدَلِّس '' ہو ، اگر منکرینِ حدیث میں ہمت ہو تو آزما لیں ، ورنہ صحیح بخاری جو امت کے اجماعی فیصلے کے مطابق صحیح ہے ، اس پر فضول اور جاہلانہ اعتراضات نہ کریں ۔

منکرینِ حدیث کی جہالتِ مطلق : اس اعتراض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منکرینِ حدیث اصولِ حدیث سے تھوڑا بہت نہیں ، بلکہ مطلق طور پر جاہل ہوتے ہیں ، رہی عقل کی بات تو صحیح بخاری کی مخالفت نے ان کی رہی سہی ''مَتْ'' بھی ما ر دی ہے ، ملاحظہ فرمائیں کہ میرٹھی صاحب نے اس روایت کو زہری کی مراسیل میں سے شمار کیا ہے ، حالانکہ اولاً تو راجح قول کے مطابق ''مرسل ''کی تعریف یہ ہے کہ کوئی تابعی ڈائریکٹ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے ، لہٰذا یہ روایت ''مرسل ''ہے ہی نہیں ، بلکہ''منقطع " ہے ، ثانیاً اگراس ''منقطع ''روایت کو مرجوح قول کے مطابق ''مرسل '' شمار کر بھی لیا جائے تو بھی یہ ''زہری کی مرسل ''نہیں ہوگی ، زہری کی'' مرسل'' وہ ہو گی جو زہری ایسے راوی سے بیان کرے ، جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو ، حالانکہ خود منکرِ حدیث صاحب صراحت کررہے ہیں کہ امام زہری نے یہ روایت مجموعی طور پر ان چاروں اساتذہ سے سنی ہے ، ثالثاً محدثین اہل علم کا یہ جو قول زہری کی مراسیل کے بارے میں پیش کیا گیا ہے ، وہ زہری کی ان روایات کے بارے میں ہے جو زہری نے ڈائریکٹ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہیں ، نہ کہ ان روایات کے بارے میں جو زہری رحمہ اللہ نے اپنے اساتذہ سے سنی ہیں ،اگر سند میں موجود اوپر والے راویوں کا ارسال پچھلے راویوں کی طرف منسوب کرنا صحیح ہو تو پھر اسے منکرینِ حدیث کے مطابق ''مرسلِ بخاری '' کہنا زیادہ بجا ہونا چاہیے نہ کہ ''مرسلِ زہری'' ۔

یہ ہے منکرینِ حدیث کا مبلغِ علم اور اعتراض کرتے ہیں امت کے اجماعی فیصلے'' صحیح بخاری'' پر !

اعتراض نمبر ۳ : ''زہری کی یہ روایت غزوہٴ بنی المصطلق کے تحت جو امام بخاری نے درج فرمائی ہے ، اس میں ہے ۔۔۔ أُخْبِرتُ ا،نّہ کا ن یشاع ویتحدّث بہ عندہ ۔۔۔

اُخْبِرْتُ کے معنیٰ ہیں ، مجھے خبر دی گئی ، کس نے دی اس کا ذکر نہیں ، لم یُسَمَّ من أہل الأفک۔۔۔کے معنیٰ ہیں ، افک والوں

کہ بارے میں سے صرف تین شخصوں کا نام زد ذکر کیا گیا ہے ۔۔۔۔اب ظاہر ہے کہ اگر عروہ نے قصۂ افک خود اپنی خالہ حضرت عائشہ سے سنا ہوتا تو أخبرتنی کہتے ، اُخْبِرْتُ نہ کہتے اور لم تُسَمِّ بصیغۂ مؤنث معروف کہتے ۔۔۔۔پس بے شک عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگنے والی داستان سنی تھی ، مگر خود حضرت عائشہ سے نہیں ، بلکہ کسی اور شخص یا اشخاص سے جن کا نام انہوں نے ذکر نہیں کیا اور جب عروہ نے یہ داستان حضرت عائشہ سے نہیں سنی حالانکہ وہ ام المؤمنین کے قریبی عزیز یعنی بھانجے تھے تو سعید بن مسیب وغیرہ کا سننا تو اور بھی مستبعد ہے ۔۔۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/۱۷۵۔۱۷۷)

جواب : ع   جھوٹ بولنے میں جن کو عار نہیں   ان کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ عروہ رحمہ اللہ کے یہ لفظ کہ ''مجھے خبر دی گئی '' امام زہری نے حدیث بیان کرتے وقت بیان ہی نہیں کیے ، بلکہ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات ذکر کی جس میں یہ لفظ ہیں ، حدیث کے شروع میں تو عروہ ، سعید بن مسیب ، علقمہ اور عبیداللہ رحمہم اللہ سب سے لفظ ِ ''عن''کے ساتھ روایت ہے ، جو کہ اصولِ محدثین کے مطابق غیر مدلس راوی کی طرف سے بولا گیا ہو تو بالاجماع اتصال شمار ہوتا ہے ، لہٰذا حدیث دشمنی نے ان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اس صیغہ مجہول کی نسبت ساری حدیث کی طرف کردیں جو صرف ایک جملہ میں بولا گیا ہے ، ورنہ حدیث بیان کرتے وقت راویوں کے ایسے جملہ معترضہ کو اصطلاح میں ''اِدراج'' کہتے ہیں ، جو کہ حدیث کے ادنیٰ سے طالب علم سے بھی مخفی نہیں ، اس لیے اسی جملہ معترضہ پر ساری حدیث کو محمول کرنا اصولِ حدیث سے جہالت اور بہت بڑی بے اصولی ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر پوری حدیث عروہ رحمہ اللہ اس طرح بیان کرتے تو سب سے پہلے محدثین اس پر مطلع ہوتے ، کیونکہ صاحب البیت أدریٰ بما فیہ ۔(گھروالا اپنے گھر کی زیادہ خبر رکھتا ہے)۔

بھلا ان منکرینِ حدیث کو عللِ حدیث سے کیا معرفت جو ''مرسل'' اور ''منقطع'' حدیث کا فرق بھی نہیں سمجھتے ، نیز جن کو ادراج کی تعریف بھی نہیں آتی ، نہ ان کو ''اتصال'' و ''انقطاع'' کا فرق

معلوم ہے ؟ ؟؟
تیسری بات یہ ہے کہ اگر کبھی منکرینِ حدیث کی عقل ٹھکانے آئے تو ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کریں کہ وہ ''بے شک عروہ نے حضرت عائشہ پر لگنے کی داستان سنی تھی ، لیکن خود عائشہ سے نہیں ہے۔''کہہ کر خود اپنے آپ کو بے وقوفی کا سرٹیفکیٹ دے بیٹھے ہیں ،کیونکہ خود انہوں نے ہی لکھا ہے :

''ان لوگوں (خارجیوں)نے اسے اس انداز سے مرتب کیا کہ اسے حضرت ام المومنین کے حق میں ہجوِ ملیح (میٹھی میٹھی مذمت)کہنا بے جا نہ ہو گا ۔۔۔سفر میں گم شدگی کی جو کہانی اس میں پیوست کر دی گئی ہے ، وہ بڑی بھاری ہجو و مذمت کی چیز ہے ، پھر بریرہ خادمہ کی زبانی ا ن خبیثوں نے ام المؤمنین کا پھوڑ اور بے سلیقہ ہونا ظاہر کیا ہے۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/۱۸۲)

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے نے بلاشبہ اس حدیث کو کسی اور سے سنا اور اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی موجود تھی تو عقل کے دشمن منکرینِ حدیث بتائیں کہ اپنی خالہ کی عزت کا احساس عروہ تابعی رحمہ اللہ کو نہ تھا ، اگر تھا تو پھراس'' گستاخی ''والی روایت کو آگے روایت کیوں کیا ؟؟؟

یا پھر وہ یوں کہیں گے کہ ''عموماً راویانِ حدیث عقل و فہم سے بے بہرہ تھے ، وہ نقل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت کے قائل نہ تھے ۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/۳۷۔۳۸)

تو کوئی بات نہیں کہ پاگل اور بے وقوف عموماً اپنے علاوہ سب لوگوں کو بے عقل ہی سمجھتے ہیں !!!

اعتراض نمبر ٤ : ''(روایتِ ابو اسامہ) امام بخاری نے اسے بطورِ حدیث نہیں ، بلکہ زہری کی تایید میں تعلیقاً ذکر کیا ہے ۔۔۔۔۔اوپر عروہ کی تصریح گزری کہ عروہ نے یہ قصہ براہِ راست حضرت عائشہ سے نہیں سنا تھا ، بعض اشخاص سے سنا تھا ، پس یہ روایت بھی مرسل ہی ہے ،جو زہری کی روایت سے مختلف و متعارض بھی ہے ۔''(''صحیح بخاری کا مطالعہ'' : ۱/۱۷۷)

جواب : قارئین !منکرِ حدیث صاحب خود کہہ رہے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بطورِ حدیث ذکر ہی نہیں کیا ، بلکہ تعلیقاً ذکر کیا ہے اور بذاتِ خود ٹائیٹل پر لکھا بھی ہے کہ

''بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق و تنقید '' تو پھر جب
یہ حدیث ہے ہی نہیں تو اس کو ''ضعیف '' اور ''متعارض '' قرار
دینے کے لیے ورق کالے کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ اسے ہی کہتے
ہیں ''دروغ گو را حافظہ نہ باشد!''
اعتراض نمبر ۵ : منکرِ حدیث صاحب ''روایتِ امِ رومان '' کے
عنوان کے تحت لکھتے ہیں :
''حضرت ام رومان ام المؤمنین حضرت عائشہ کی والدہ اور
حضرت ابو بکر کی بیوی تھیں ، ان کی طرف منسوب کر کے اسے
مسروق بن اجدع تابعی نے نقل کیا ہے اور مسروق نے امِ رومان کا
زمانہ نہیں پایا ، امِ رومان کی وفات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی ، سنِ وفات غالباً ٦ ھ
ہے ، لا محالہ مسروق نے اسے کسی اور شخص سے سنا ہوگا ،
اس نے حضرت امِ رومان کی طرف منسوب کر کے اس کو بیان
کر کیا تھا ، مسروق نے اس شخص کا نام نہیں لیا کہ وہ کون تھا ،
کیسا تھا ، اسی لیے امامِ مسلم نے اس روایت کو درجِ صحیح نہیں
کیا ، کیونکہ یہ سنداً صحیح نہیں ہے ، مرسل ہے ، مگر امام
بخاری کو اس کی اسنا د میں ابوعوانہ و محمد بن فضیل کے وہم
کی وجہ سے دھوکا لگ گیا ۔۔۔۔۔
مسروق نے اسے حَدَّثَتْ أمّ رومان (امِ رومان نے بیان کیا)،ابو عوانہ
نے ازروئے وہم اسے حدّثتنی أم رومان بنا دیا (مجھ سے ام رومان
نے بیان کیا)۔۔۔۔اور محمد بن فضیل نے اسے (سُئِلَتْکو) غلط پڑھ
کر سَاَلْتُ أم رومان سمجھ لیا اور اسے ہی نقل کردیا ۔۔۔الغرض
امام بخاری رحمہ اللہ نے دھوکا کھا کر اس روایت کو متصل
گمان کر کے درجِ صحیح کر دیا ہے ، حالانکہ یہ مرسل ہے ، اہل
علم نے امام بخاری پر اس بارے میں بجا گرفت کی ہے ، حافظ ابنِ
کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری کی اس روایت کے بارے میں لکھا
ہے ۔۔۔۔الحاصل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ پر بہتان
لگنے کا جو قصہ مسروق سے مروی ہے تو اسے مجھ سے بہت
پہلے اہل علم نے غیر صحیح بتایا ہے ۔''(''صحیح بخاری کا
مطالعہ'' : ۱/۱۷۸۔۱۷۹)
جواب : منکرینِ حدیث کو بعض اہل علم کا غیر صحیح بتانا
تو''بجا'' نظر آگیا ، لیکن یہ نظر نہ آیا کہ صحیح بخاری کی صحت
پر امتِ مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے ، نیز علمائے کرام نے اس
روایت پر اعتراض کا جو جواب دیا وہ دلائل کی رو سے روزِ

روشن کی طرح واضح ہے ، وہاں انہوں نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے سمجھا ہے کہ شاید ہم امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کر کے صحیح سلامت نکل جائیں گے اورکوئی انہیں لگام دینے والا نہ ہوگا ، اسے'' متصل'' اور'' صحیح ''قرار دینے والوں کے دلائل بغیر ڈکار کے ہضم کرگئے ہیں، حالانکہ اس اختلاف میں حق امامِ بخاری رحمہ اللہ اور ان ائمہ دین کے ساتھ ہی ہے جو اس حدیث کو صحیح قرار دینے والے ہیں :

b علامہ شمس الدین ابن قیّم رحمہ اللہ (م۷۵۱ھ)اس حدیث کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وقال آخرون : کلّ ھذا لا یردّ الرّوایۃ الصّحیحۃ الّتی أدخلھا البخاریّ فی صحیحہ ، وقد قال ابراھیم الحربیّ وغیرہ : أنّ مسروقا سألھا ولہ خمس عشرۃ سنۃ ومات ولہ ثمان وسبعون سنۃ ، وأم رومان أقدم من حدّث عنہ ۔

''دوسرے (امام بخاری کے ہم نوا)علمائے کرام کا کہنا ہے کہ یہ سارے اعتراضات بھی اس روایت کو ردّ کرنے کا موجب نہیں بن سکتے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں درج کر دیا ہے ، ابراہیم حربی کہتے ہیں ، مسروق نے پندرہ سال کی عمر میں سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تھا اور جب وہ فوت ہوئے تو ان کی عمر اٹھتر سال تھی ، سب سے پہلے انہوں نے امِ رومان سے ہی احادیث سنی ہیں ۔''(زاد المعاد : ۳/۲۳۷)

رہی یہ بات کہ سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی فوت ہو گئی تھیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اترے تھے ،تو اس کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ، کیونکہ یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی،ان باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعدبھی اس غلط بنیاد پر صحیح بخاری پر اعتراض کرنا اور محدث ابو عوانہ و محمد بن فضیل پروہم کھانے اور غلط سلط پڑھنے کا الزام لگانا دراصل اپنی بدبختی کو دعوت دینا ہے ۔

b حافظ ابو نعیم الاصبہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

قیل : انّھا توفّیت فی عھد النّبیّ صلّی اللّہ علیہ وسلّم ، وھو وھم ، روی عنھا مسروق ۔

''کہا گیا ہے کہ وہ (امِ رومان)نبی ئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہی فوت ہو گئی تھیں ، لیکن یہ وہم ہے،

کیونکہ ان سے مسروق نے روایت کی ہے (اور وہ عہدِ نبوی میں موجود نہ تھے)۔''
(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الاصبهانی : ۲۴/۱۷۲)

b نیز اس کے بارے میں حافظ ابن قیّم رحمہ اللہ لکھتے ہیں :
وقالوا : أمّا حدیث موتها فی حیاۃ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم ونزولہ فی قبرها فحدیث لا یصحّ ، وفیہ علّتان تمنعان صحّتہ ، احداهما : روایۃ علیّ بن زید بن جدعان لہ ، وهو ضعیف الحدیث ، لا یحتجّ بحدیثہ ، والثّانیۃ : أنّہ رواہ عن القاسم بن محمد عن النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ، والقاسم لم یدرک زمن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ، فکیف یقدّم هذا علی حدیث اسنادہ کالشّمس ، یرویہ البخاریّ فی صحیحہ ، ویقول فیہ مسروق : سألت أمّ رومان ، فحدّثتنی ، وهذا یردّ أن یکون اللّفظ : سُئِلَتْ ۔۔۔
''انہوں نے (محدثین نے)کہا ہے کہ امِ رومان کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں فوت ہونے اور آپ کے ان کی قبر میں اترنے والی حدیث ثابت نہیں ، اس میں دو کمزوریاںہیں جو اس کے صحیح ہونے میں مانع ہیں ، ایک تو یہ کہ اس کو علی بن زید بن جدعان نے بیان کیا ہے اور وہ ضعیف الحدیث ہے ، اس کی حدیث دلیل نہیں بنائی جا سکتی ، دوسری کمزوری یہ ہے کہ اسے قاسم بن محمد تابعی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں ، حالانکہ قاسم بن محمد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا ، چنانچہ اس(غیر ثابت افسانہ)کو اس حدیث پر کیسے مقدم کیا جاسکتا ہے ، جس کی سند سورج کی طرح روشن ہے اور اسے امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کر رہے ہیں، نیز اس میں مسروق یہ کہہ رہے ہیں ، میں نے امِ رومان سے سوال کیا تھا اور انہوں نے مجھے حدیث بیان کی تھی ۔۔۔''(زاد المعاد لابن القیم : ۳/۲۳۷)

b حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں : انّ الّذی وقع فی الصّحیح هو الصّواب والرّاجح ، وذلک أنّ مستند هولاء فی انقطاع هذا الحدیث انّما هو ما روی عن علی بن زید بن جدعان وهو ضعیف ۔۔۔وقد نبّہ البخاریّ فی تاریخہ الأوسط والصّغیر علی أنّها روایۃ ضعیفۃ ۔۔۔وحدیث مسروق أسند ، أی أصحّ اسنادا ، وهو کما قال ۔۔فکیف تعلّ بہ الرّوایات الصّحیحۃ المعتمدۃ ؟
''بلاشبہ جو صحیح بخاری میں موجود ہے ، وہی درست اور راجح

ہے ، کیونکہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کے بارے میں ان(مخالفین)کی دلیل صرف علی بن زید بن جدعان کی بیان کردہ روایت ہے اور وہ ضعیف راوی ہے ۔۔۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی التّاریخ الأوسط اور التّاریخ الصّغیر کتاب میں اس پر خبردار کیا ہے ہ ہےاور فرمایا ہے کہ مسروق کی (امِ رومان سے سماع و لقاء والی)حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ترین ہے ، امام بخاری کی بات بالکل درست ہے ۔۔۔لہٰذا اس (اَنْ ہوئے افسانہٰ)کی وجہ سے صحیح اور قابل اعتماد روایات کیونکر ضعیف قرار دی جا سکتی ہیں ؟''(فتح الباری لابن حجر : ۱/۳۷۳)

اب سوچنے کی بات ہے کہ منکرینِ حدیث نے محدثین کے نزدیک بالاتفاق ''ثقہ '' قرار پانے والے راویوں ، مثلاً امام سعید بن جبیر ،امام زہری ،عطاء بن یسار رحمہم اللہ وغیرہ پر تو جرحی نشتر چلائے ہیں ، نیز ''ثقہ غیر مدلّس '' راویوں کی مُعَنْعَنْ (لفظ ِ عَنْ سے بیان کردہ) احادیث کوتو ''مرسل و منقطع'' قرار دیا ہے ، لیکن اپنے مطلب کی بات آئی ہے تو یہاں علی بن زید بن جدعان جیسے مشہور و معروف سخت'' ضعیف'' اور ''منکر الحدیث''راوی کی روایت کو دلیل بنا لیا ہے اور قاسم بن محمد کے ''ارسال'' کو سینے سے لگا لیا ہے۔۔۔

تِلْکَ اِذاً قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی یہی ہے منکرینِ حدیث کی ''بندر بانٹ ''!!!

الحاصل : منکرینِ حدیث کے صحیح بخاری کی بالاجماع صحیح حدیث پر کیے جانے والے ''اصولی '' اعتراضات کی کل کائنات اور اس سلسلے میں ان کی بے اصولیاں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں ، جب اصول و ضوابط اور نقل کے اعتبار سے اس حدیث کی سند بے غبار ثابت ہو گئی ہے تو اب منکرینِ حدیث کا اس پر تاریخی وعقلی اعتراض کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا ، کیونکہ اگر کوئی منکر ِ قرآن کسی آیت ِ قرآنی پر عقلی اعتراضات کرنے لگے کہ میری عقل میں یہ بات درست نہیں تو اسے یہی کہا جائے گا کہ جا کر اپنی عقل کا علاج کروائے ، لہٰذا سنداً صحیح ثابت ٰہو جانے کے بعد حدیث ِ افک پر عقلی و تاریخی اعتراضات چنداں مضر نہیں ، نہ ہی ہمارے لیے ان کا جواب دینا ضروری ہے ، لیکن پھر بھی ہم ایک ایک اعتراض کا جواب دیں گے ، تاکہ منکرینِ حدیث کی بے اصولی کی طرح ان کی بے عقلی بھی لوگوں پر واضح ہو جائے اور وہ کبھی ان کی دامِ فریب میںنہ آئیں ، نیز یہ کار ِ خیر

بھی ہے ، جیسا کہ ایک حدیث پر مخالفین کے اعتراضات کے
جوابات دیتے ہوئے حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں : وان
کنّا غانین عن ذالک □□ لکن نصرالحقّ فضیلۃ ، و قمع الباطل
وسیلۃ الی اللّٰہ تعالیٰ ۔

''اگرچہ ہمیں ان اعتراضات کے جوابات دینے کی چنداں ضرورت
نہیں ،لیکن (صرف اس وجہ سے ایک ایک کا جواب دیں گے کہ)
حق کی نصرت نیکی ہے اور باطل کا قلع قمع اللہ تعالی کے تقرب
کا ذریعہ ہے ۔''

(المحلی لابن حزم : ٤/٢٢٩)

جاری □□ ۔۔۔۔۔۔۔

nnnnnnn